Vol. 6 No.4 2023

JAHAN E TAHQEEQ جہانِ تحقیق

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

”منطِقَ الطیر،جدید“اور ”دشتِ سُوس“میں متصوفانہ عناصر کا تقابلی مطالعہ [1]

☆ ڈاکٹر حمیرا اکرم

☆☆ڈاکٹر محمد عبیداللہ،

☆☆☆ناصر بشیر

Abstract

Mysticism is the aspect of religion not only present in Islam but more or less found in almost every religion. In Islamic mysticism, notion of "wahdat al-wujood" unity of existence, is often attributed to Sufi mystics like Ibn ul Arabi. it is the idea that there is only one true existence, and everything in the universe is a manifestation of this singular reality, which is God (Allah). This concept emphasizes the unity of all creation and the idea that everything is connected to and emanates from the divine source. It asserts that is only one ultimate reality, and all existence is a reflection or expression of that singular essence

"wahdat ul-wujood" has been embraced by most of Islamic Sufi thinkers but on the other hand it has also faced criticism and debate within the broader Islamic philosophical tradition. Ibn Arabi who is called as "Sheik E Akbar" have contributed to the development and elaboration of this concept within Islamic philosophy. In Sufism, sufi experience spiritual journey in quest for closeness to the divine and recognition of divine in all aspects of creation. This religious concept influenced Islamic culture, art and history. Urdu Novelists have also created master pieces of historical literature by use of this religious concept. Jameela Hashmi's Dasht E Soos and Manteq ut Tair Jadeed by Mustansar Hussain Tarar are one of these kinds of master pieces. Comparison of mystic elements in both the novels has been made in this article.

کلیدی الفاظ: وحدۃ الوجود(unity of existence)، تصوف (Mysticism)، تذکیہ (Purification)، روح (Soul)، وجدان("conscience") عرفان (Vision) ، نفس (The Self)، عزتِ نفس (Self-respect)

اردو ادب میں مستنصر حسین تارڑ اور جمیلہ ہاشمی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ زندگی کے متنوع پہلوؤں پر قلم اٹھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی تحاریر می[2]ں تصوف کی رمزیں بھی پیش کی ہیں۔ تصوف ایک عالمگیر احساس اور مشترکہ انسانی میراث کی حیثیت سے تزکیہ نفس، حقیقتِ عرفان اور اخلاقی پاکیزگی سمیٹے ہوئے ہے۔ انگریزی میں اسے ”Mysticism“، اردو اور فارسی میں ”تصوف“، عربی میں ”التصوف“، فرانسیسی میں ”Mystique “، اور ترکی میں ”Tasavvuf“ کے الفاظ اس کیفیت اور احساس کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ لمحہ موجود تک بھی تصوف کی باقاعدہ یا کوئی حتمی تعریف تو ممکن نہیں ہو سکی مگر اس بارے متعدد آراء سے اس کا ایک خاص مفہوم ابھر کر سامنے آتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کی ذات سے سچا لگاؤ، تزکیہ نفس، انسان کی عزت و تکریم اور انسانی مساوات۔ بعض مکاتبِ فکر کے ہاں اسلام کے دو مکاتبِ فکر پہلو بہ پہلو چلتے نظر آتے ہیں۔ ایک کا نام شریعتی اور دوسرے کا نام طریقتی پہلو ہے۔ شرعی احکامات قرآن و سنت کے اندر بیان شدہ اوامر و نواہی کی صورت میں ملتے ہیں جبکہ طریقت کا زیادہ تعلق تربیت، سلوک اور تذکیۂ نفس سے جوڑا گیا ہے۔ پیغمبروں کا ایک منصب تو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اُس کی مخلوق تک پہنچانا ، علم و حکمت سکھانا ہے اور انھیں خبردار کرنا ہے جبکہ دوسرا منصب اُن کا تذکیۂ نفس بھی ہے۔ سورہ البقرہ میں ارشادِ باری ہے:

☆اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ گریجوایٹ کالج دبئ محل روڈ بہاول پور

☆☆ صدر شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول نگر کیمپس

☆☆☆ ایم فل سکالر شعبہ اردو بہاول نگر کیمپس

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ترجمہ:اے ہمارے رب! اور ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جوان پر تیری آیتوں کی تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب پاکیزہ فرمادے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (البقرہ 129)

بعض علماء کے نزدیک تزکیۂ نفس شریعت پر کاربند ہونے اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ ہے لیکن بعض دیگر متصوّف علماء کے نزدیک تزکیہ کے لیے الگ سے ایک علم موجود ہے جسے طریقت کا نام دیا گیا ہے۔ طریقت کے علماء یا ماہرین صوفیاء کرام ہیں۔ وہ انسان کے قلب کی میل اِس طرح اتارتے ہیں کہ انسان کے لیے شریعت پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ اُن کے نزدیک شریعت پر عمل طریقت کے بغیر ممکن نہیں۔ جب تک دل صاف نہ ہو اعمالِ صالحہ سے قرار واقعی نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔

قلب کی طہارت اور صفائی کے حوالے سے کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں:

"تصوف صفائے قلب کا نام ہے۔"(1)

انسائیکلوپیڈیا آف امریکہ میں تصوف کی تصویر کے ضمن میں یہ عبارت ملتی ہے:

> "It's name is derived from the Arabic word for "wool", "souf", the material used by the early Muslims mystics for clothing." (2)

حضرت شیخ عبدالقادر عبدالقادر جیلانی نے تصوف بارے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا ہے:

''اللہ کے ساتھ صدق اور اس کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا تصوف ہے۔''(3)

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے انسان اور اپنی ذات کا تعلق اور قربت بارے ارشاد فرمایا ہے:

'' ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں کہیں تم ہو، جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔ ہم تمہارے بہت قریب رہتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔''(4)

اللہ تعالی کے قرب کے حصول کے لیے صوفیاء نے ریاضت اور خدا سے محبت کا راستہ اختیار کیا۔ خدا کی مخلوق بالخصوص انسان سے محبت و شفقت، رواداری، احساس اور امن و آشتی کو ترویج دینے کی سعی کی۔ یوں تصوف خدا کا قرب اور اس کی مخلوق سے محبت کا درس لیے ہوئے ایک وسیع معنی و مفاہیم کا احاطہ کرتا ہے۔ تصوف کو ہم انسانی قلب کی کیفیات اور واردات کے ساتھ ساتھ ذوق و وجدان کا ایسا عالم بھی کہہ سکتے ہیں جس کو الفاظ کا روپ دے کر تعریف کے سانچے میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ ہر فرد کا ذوق، قلب اور کیفیات کا پیمانہ مختلف ہوتا ہے۔ تصوف میں؛ خدا کا قرب، عرفانِ حق، مخلوق خدا سے محبت کے ساتھ ساتھ جو ایک اور چیز نمایاں تر نظر آتی ہے وہ ہے عشق حقیقی اور عشق مجازی کا التزام وامتزاج۔ صوفیانہ کلام چاہے وہ کسی بھی خطے، دَور، مذہب یا زبان میں لکھا گیا ہو، اُس میں عشق حقیقی کے رنگوں کے ساتھ ساتھ ہمیں عشق مجازی کے رنگ بھی اپنی بھرپور بہار دکھاتے نظر آتے ہیں۔ اہل تصوف کے نزدیک محبت ہی کائنات کی روحِ رواں۔ میر تقی میرؔ نے کہا تھا

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو   سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق
آپ معشوق آپ عاشق ہے   یعنی اپنا ہی مبتلا ہے عشق
میرؔ جی زرد ہوتے جاتے ہو   کیا کہیں تم نے بھی کیا ہے عشق

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

محبت اللہ کی تخلیق ہے۔اللہ وحدہٗ لاشریک کے بے شمار صفاتی ناموں میں سے ایک صفاتی نام "حبیب" ہے سو وہ اہل محبت کو اپنا قرب نصیب فرماتا ہے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں:

''عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہوتا ہے، جو کچھ اس میں جائے اسے جلا دیتا ہے اور ناچیز کر دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں ہے۔''(5)

حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ:

''مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے۔جو لوگوں سے محبت نہیں کرتے، نہ ان سے محبت کی جاتی ہے اور ان میں کوئی بھلائی نہیں۔(تاریخ ابن عساکر، جلد سوم، صفحہ)''

ناول'' منطق الطیر جدید'' اور دشت سوس میں زمانی اعتبار سے تو کئی برس کی خلیج حائل ہے مگر فکری اعتبار سے دونوں کا موضوع ایک ہی ہے یعنی دونوں میں تصوف کے رنگ بکھرے نظر آتے ہیں۔دونوں ناولوں کے مرکزی کردار ایسے ہیں جو فلسفہ وحدت الوجود کے پیکر ہیں اور نعرۂ اَناالحق کی تجسیم ہیں۔دونوں کے مرکزی کردار عشقِ حقیقی میں عرفانِ حق کے متلاشی ہیں، ذاتِ حق میں ضم ہونے کی سعی کرتے، اپنی ذات کی نفی کرتے اور ہمہ اوست کا نعرہ لگاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔زیرِ نظر مضمون میں دونوں ناولوں کے مرکزی کرداروں میں اہم فکری و نظریاتی مماثلتیں تلاشنے کی سعی کی گئی ہے۔

کرداری سطح سے ہٹ اگر دیکھا جائے تو بھی دونوں فن پارے موضوعی اعتبار سے بھی قدرے ایک جیسے ہیں کیونکہ ان میں تصوف و عرفان کی کشفیات و وارداتِ قلبی کو منفرد اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔دونوں میں صوفی ازم اور صوفیانہ افکار کی کرداری تجسیم ملتی ہے۔دونوں میں عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا ایک حسین التزام اور امتزاج محسوس ہوتا ہے۔دونوں ناولوں میں عشق مجازی کی جہت کو فکری بلندی اور روحانی تعلق کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔دونوں ناولوں میں حاصلِ کلام کے طور پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسانیت سے محبت، مساوات، رواداری، رحم، شفقت، برداشت اور حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر ایمان اور طلبِ حق کے اسفار ادھورے ہیں۔راہِ حق ایک پُرخطر، کٹھن، مشکل ترین اور خارزار راستہ ہے جس کا زادِ راہ صبر، کامل یقین، تزکیہ نفس اور کامل مرشد کی رہبری ہیں۔اہل تصوف پر معاشرتی اور شرعی قدغنیں، مقتدر حلقوں کا جبر اور سماجی عدم قبولیت کی مثالیں نظر آتی ہیں۔تاریخ میں صوفیاء کا قتل، قید و بند اور اجتماعی معاشرے سے جبری بے دخلی کے واقعات کی عکاسی ملتی ہے۔نظریہ وحدت الوجود اور نعرہ اَناالحق کی بازگشت دونوں فن پاروں میں برابر سنائی دیتی ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے ایرانی اور عربی تہذیب کے تناظر میں منصور بن حلاجؒ (858ء-922ء) کی زندگی اور اس کے نعرۂ اَناالحق کی بازگشت اور انجام کو بیان کیا ہے۔مستنصر حسین تارڑ نے بھی اَناالحق کے نعرے اور عہد حاضر کے انسان کی فکری تنہائی، خالی پن اور مادہ پرستی کو ہندوستانی تہذیب کے تناظر میں پرندوں کی گفتگو کو استعارہ بنا کر بین المذاہب مکالمے اور توحید کے رنگ بیان کیے ہیں۔ دونوں ناول عشق مجازی سے عشق حقیقی تک پہنچنے کی سعی کی کہانی ہیں۔'''' منطق الطیر جدید'' اور ''دشتِ سوس'' دونوں ناولوں ہی میں راہ ہدایت اور بھٹکنے کے سفر کے مندرجات ملتے ہیں، دین و دنیا میں توازن کا درس ملتا ہے۔دونوں ناولوں کے کردار حق کا متلاشی ہونے، انسان کے دکھوں کا مداوا کرنے اور احترام انسانیت کا درس دیتے ہیں۔آیئے ان میں متصوفانہ مماثلت کا جائزہ لیتے ہیں۔

ناول'' منطق الطیر جدید'' میں سامی اور غیر سامی مذاہب کے مختلف کرداروں میں فلسفہ وحدت الوجود نظر آتا ہے جو ''دشت سوس'' کے حلاجؒ کی ذات کا بھی آئینہ دار ہے:

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"اگر تم ان سب پرندوں اور ان میں وہ بدھ پرندہ بھی شامل کر لو توان کے بدن سے صرف ایک ایک بوند لہو کی ٹپکالو اور اسے کشید کر لو تو اس مئے لالہ فام کے ہر قطرے پر "اناالحق" کی تختی نصب ہو گی۔ (7)"

یعنی" ہمہ اوست" ہی ہر ذی روح کی حقیقت ہے۔اُس حقیقتِ کلی ہی کے اجزا اِس دنیا میں جابجابکھرے نظر آئیں گے کسی موجود کی جو بھی انفرادی پہچان ہے وہ دراصل تلبیس ہے۔ حقیقتِ ابدی وہی اللہ ہی ہے۔

جگ میں آ کر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

وحدت الوجود کے حوالے سے میر اثر کی مثنوی کا یہ شعر بھی اِس نظریے کی بہت سی گتھیاں وا کرتا ہے:

کس کو دیکھوں ، کروں میں کس پر نگاہ
سب طرف جلوہ گر ہے وجہُ اللہ

یا اصغر گونڈوی کا یہ شعر بھی وحدت الوجود کی بعینہٖ تعبیر و تفہیم لگتا ہے:

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے
پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتاہے

وحدۃالوجود کی جو تشریح جامی کے اِس شعر میں کی گئی ہے شاید ہی اتنی صراحت و وضاحت سے یہ نظریہ کہیں بیان ہوا ہو؛فرماتے ہیں:

کلُ ما فی الکون وھمٌ او خیال
او عکوسٌ فی مرایا او ظلال

اِس کائنات میں جتنے بھی مظاہر ہیں؛مادی موجودات ہیں،اُن کی حیثیت وہم و خیال سے زیادہ نہیں یا پھر وہ آئینے پر بنے عکس کی مانند ہیں یا محض سائے ہیں۔وجودِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے۔یہ ہے وہ نظریہ جسے وحدۃالوجود کہا جاتا ہے اور پھر آگے اِس کی ہزاروں توجیہات و تشبیہات ہو سکتی ہیں۔

"منطق الطیر" کا رگھوناتھ بھی ٹلہ جوگیاں پر اپنے وحدت الوجودی عشق کی سرمستی میں سرشار ،پھٹے کانوں،خستہ لباس،اپنی رمائی دھونی کی مہک میں دنیا سے بے نیاز پہاڑی چوٹی پر براجمان نظر آتا ہے :

"گورکھ ناتھ کے پھٹے ہوئے کانوں میں سے جو خون رستا تھا اس کی ہر بوند میں سے" اَنَاالحق" کی صدا آتی تھی۔ جو صدیوں بعد بغداد کے حلاجؒ کے کانوں میں اذان کی صورت بلند ہوئی۔"(8)

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

دشت سوس کا منصور بن حلاجؒ بھی وحدت الوجود اور انا الحق کا پرچارک تھا۔اس کی تلاش کی چنگاری شعلہ بن چکی تھی۔وہ اپنی ذات پر اختیار سے مبراء ہو چکا تھا۔وہ سالک تھا اور واصل حق ہونا چاہتا تھا۔قطرہ تھا قلزم ہونا چاہتا تھا،سمندر میں مل کر سمندر کی طرح بے کراں ہونا چاہتا تھا۔اس میں طلب کی یہ شدت اتنی بڑھی کہ وہ اپنے وجودی احساس سے ہی ماورا ہو گیا۔

''۔۔۔اسے تو خود اس میں فنا ہونے،مٹ جانے کا شوق تھا۔اسے اپنی ہستی سے،اپنے ہونے سے کوئی محبت نہ تھی۔ محبتیں اس کا مقصودِ ذات اور مطمع نظر نہ تھیں۔وہ اپنے جذبۂ بے اختیار شوق کی بھی نفی چاہتا تھا اور اپنی بھی۔''(9)

حسین اپنی ذات کو یوں موقوف کرنا چاہتا تھا کہ وہ اَحدیتِ مطلقہ میں گھلا دی جائے۔وہ ایسا سالک تھا جو "فنا فی الذات" کا قائل تھا۔

''کیا یہ ممکن نہیں؟بہت دیر کے بعد حسین نے جواب دیا،کہ وہ اور میں ایک ہو جائیں۔حضرت ایسا ممکن ہوگا،خدا اور بندے کی ہستی مل جائیں،ایک ہو جائیں،کامل ادراک سے بھی آگے۔بندے اور خدا میں کوئی فرق نہ رہے،کوئی فاصلہ نہ رہے،ذرا سا بھی''(10)

عبادت کی قبولیت اور فضیلت کے لیے عشق لازم ہے یعنی عبادت اور عشق لازم و ملزوم ہیں۔طلب اور فنائے طلب،عجیب رشتہ ہے جو عشق و عبادت کو معراج عطا کرتا ہے۔کسی بھی جذبہ میں پیچھے رہ جانا اس امتزاج کو بگاڑ کر کمزور کر دیتا ہے۔تارڑ کے پرندے جب اپنے اپنے مساکن سے اڑان بھرتے ٹلہ جوگیاں پہنچتے ہیں تو ان کے مابین عشق کی سچائی،طلب اور حاصل کا مکالمہ ہوتا ہے۔وہ اپنا اپنا امتیاز واضح کرتے ہیں،اپنے اپنے عشق کو برتر گردانتے ہیں۔ایک تفاوت اور برتری و کمتری کا عنصر ان کے درمیان پنپ آتا ہے جو انہیں باہمی تشکیک میں مبتلا کرتا ہے۔یہ ان کی پرواز کو،اڑان کو منتشر کرنے کی سعی کرتا ہے مگر وہ بالآخر سنبھل جاتے ہیں۔

''طاہرہ پرندے نے آسمانوں سے اتر کر زمین پر اپنے پنجے جمائے،اس توصیف سے ماورا،صاحباں کے سامنے بیٹھے ہوئے طوری جھلسے ہوئے پرندے کو متوجہ کیا اور مخاطب ہوئی: تیرے عشق میں اک آنچ کی کمی رہ گئی۔۔۔طور کی جلتی ہوئی جھاڑی کے سامنے اس مقدس زمین پر تو جوتیوں سمیت ہی چلا جاتا،اگر تجھے ڈانٹ نہ پڑتی۔۔تو بے شک سجدہ ریز ہو گیا پر تیرے عشق میں انتہا نہ تھی،اگر ہوتی تو تو اپنے آپ کو اس جھاڑی کے سپرد کر دیتا۔۔۔راکھ ہو جاتا۔۔۔جیسے میں ہو گئی۔''(11)

منصور بن حلاجؒ نظارگی کا طالب اور وارفتگی کا خوگر تھا۔وہ خدا کی بارگاہ میں اپنی شدید خواہشات کے ساتھ ہر لمحہ حاضر رہتا تھا۔ایک مجذوبانہ سرمستی کا حامل،بارگاہ الٰہی میں جھکتا ہے۔یہ عبادتیں،یہ ریاضتیں بھی اس کی داخلی بے چینی اور تشنگی کا تدارک نہ کر سکیں۔وہ آگے بڑھتا ہے،اس حد سے آگے،جہاں جبرائیل بھی ٹھہر گیا تھا کہ اس کے پر جلتے تھے۔اس کا ہر قدم اس کو ''فنا فی الذات'' کی طرف لے جاتا ہے اور بالآخر وہ فلسفہ وحدت الوجود کے آہنگ میں اپنی ہستی کو کھو دیتا ہے۔:

''جان کنی کی حالت میں اترنے سے پہلے اس نے چاندنی میں ضوفشاں ذروں میں،ہوا میں،اپنے آپ کو ملتے پایا اور اس کا تنفس،اس کے مالک کا تنفس ہے۔اور وہ خود مالک ہے اور اپنی زیارت کو جا رہا ہے۔وہ تو نہیں ہے،سب طرف اسی کا جلوہ ہے۔۔۔ ھو۔۔ ھو۔۔۔ ھو۔۔۔وہ ھو ہے،ھو وہ ہے۔''(12)

ایک وقت آتا ہے جب راہ حق کا مسافر، حق کا متلاشی، دیدارِ ذات کی جستجو اور تصور میں کھو جاتا ہے۔ وہ قدرت کی تجلیات میں سے ایک تجلی کی موہوم کرن سے باخبر ہوتا ہے تو ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ اپنا جسم اور روح اسے بوجھ لگتی ہے۔ وہ بے ساختہ اَنَا الحق پکار اٹھتا ہے اور یوں شریعت اور مروجہ معاشرت کے خلاف اعلان جنگ کی سزا میں مجرم گردانتے ہوئے جان سے چلا جاتا ہے، جیسے حلاجؒ گیا، جیسے طاہرہ گئی اور جیسے پورن گیا۔ مگر ان سب کی صداقتِ عشق ہر لحظہ عیاں تھی۔

> ''حلاجؒ کی آنکھوں کی کشتیاں جب نوکِ خنجر سے اکھاڑ پھینکی گئیں تو وہ فرات کے پانیوں پر رواں ہو گئیں۔ تو انہیں ڈبویا نہ جا سکا۔ حلاجؒ کی آنکھوں کے پھوڑے جانے والے گھونسلے میں سے لہو کی جتنی بوندیں گریں ان میں سے ہر بوند میں سے گل رنگ پرندے نے جنم لیا جو ''انا الحق'' کی پکار کرتا تھا۔''(13)

راہِ سلوک میں نفس کو کڑی ریاضتوں اور بندشوں سے گزارنا پڑتا ہے۔ قدرت کے رازوں کو سینے میں سمونا اور دفن کرنا پڑتا ہے، تب جا کر شریعت اور طریقت کے حصار میں ایمان سلامت اور مضبوط رہتا ہے۔ یہ مقام حاصل کرنے والوں میں شبلیؒ بھی تھے۔ وہ حسین حلاجؒ کے اس لحاظ سے مخالف نہ تھے کہ حسین میں راز حق کو جذب کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ وہ حسین کو ایسا دیوانہ سمجھ رہے تھے کہ جو بجائے حق کو اپنے اندر سمونے کے حق سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے کو تھا اور اس ذاتی فنا کو اپنی بقا سمجھتا تھا:

> ''شبلیؒ مسکرائے، پھول کی پنکھڑیاں اب بھی ان کے ہاتھ میں تھیں۔ گلاب حسین کی طرف بڑھا دیا، فنا کیا ہے؟ حسین نے جھک کر ان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ایک زوردار ضرب لگا کر شبلیؒ نے کہا! فنا! فنا! فنا! ۔ حسین نے محسُوس کیا اس کے ہر طرف فنا! فنا! کی صدائیں تھیں۔ ہر شے فنا، فنا پکارتی تھی۔ ہوا اور کائنات سب معدوم ہوئے جاتے تھے۔ زمین اور آسمان، وہ خود اور اس کے ساتھی گھلے جاتے تھے۔ ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔''(14)

زمانہ کوئی بھی ہو، ثقافت کوئی بھی ہو ایک راہِ حق کا متلاشی اور عرفانِ ذات کا مسافر ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ عفت و پاکدامنی وہ صفات ہیں جو انسان کو شرفِ انسانی کے مرتبے پر فائز کرتی ہیں۔ حرمت چاہے کسی بھی رشتے کی ہو، وہ جان سے بھی بڑھ کر خود کی قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔ اپنی ذات کی سچائی کو مصلحت کی دبیز تہوں میں خاموش رکھ کر کسی کی عزت، تقدیس اور حرمت کا دفاع کرنا، وہ اعزاز ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا کیونکہ یہ عمل خود پر جبر و برداشت اور صبر و تحمل کا متقاضی ہوتا ہے:

> ''یوں آج تک نہ کسی نے تحقیق کی اور نہ ہی اس بھید سے آگاہ ہونے کی جستجو کی کہ ہر دور میں مہدی یا مسیحا کا ظہور ہو نہ ہو جیسے کوئی نہ کوئی قطب موجود ہوتا ہے۔ اور یوں پرکھ کیجیے تو راجہ سلوان کا بیٹا پُورن اپنے عہد کا حلاجؒ اس لیے ٹھہرتا ہے کہ اس نے بھی ''میں حق ہوں'' کا نعرہ بلند کیا۔ سوتیلی ماں رانی لونا کے دامن کو دریدہ نہ کیا، جس کی پاداش میں حلاجؒ کی مانند اس کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹ دیے گئے، وہ صلیب پر نہ چڑھایا گیا، ایک کنویں میں اپنے بھائی یوسف اور بہن طاہرہ کی مانند دفن کیا گیا۔''(15)

دشت سوس میں ابن منصورؒ کی موت اور اس کی باقیات کے تناظر میں جس طرح وحدت الوجودی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے وہ بے مثل ہے:

> ''ان کے پاؤں کند چھری سے کٹے ''انا الحق'' پکارتے تھے۔ اعضائے بدن میں بھی یہی صدا تھی۔ مُثلہ کئے جانے کی گھڑی تھی اس لئے کہ نوبت کی طرح ''انا الحق'' کی صدا جیسے کسی جاں بلب مریض کے آخری سانس کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔''(16)

ناول ''منطق الطیر'' اور ''دشت سوس'' میں عشق کا ایک سمندر ہے جس میں "مجاز" اور "حق" کی بحریں ایک دوسرے سے باہم متصل رواں دواں ہیں۔ قاری ان بحروں کے تلاطم میں بہتا ہے اور زندگی میں جا بجا پھیلے محبت کے جزیروں کی سیر کرتا ہے:

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

''ذرا تخت ہزارے کا قصہ چھیڑیے، جہاں رانجھوں نے رنگ مچایا تھا۔ دھید ورانجھا، ناز نخروں، لاڈپیار اور چناب کے جنگل بیلوں میں چرتی مست آنکھوں والی بھینسوں کے دودھ مکھن سے پلا۔ جس میں نسوانی نزاکت کے پر تو تھے اور جسے ہیر سیال کی مردانگی کے عشق نے رنگلے پلنگ پر سلایا۔ وہ ہیر کے ہجر کی آگ میں بھسم راکھ ہوتا، پانچ پیروں سے منہ موڑ کر، ٹلہ جوگیاں بال ناتھ سے اپنے دکھ کی دوا لینے جاتا ہے۔''(17)

''واسطہ''اور''وسیلہ'' تصوف کے فلسفے کا جزولاینفک ہے۔ مرید اپنے پیر کی بیعت اس وسیلہ کی خاطر کرتا ہے کہ وہ اسے راہ ہدایت کے راستے پر راہنمائی کرے۔ دکھوں کا مداوا اور مسائل کا حل نکالنے میں اس کی دلجوئی کرے۔ خواہشات دینی ہوں یا دنیاوی، وسیلہ اور واسطہ ایک یقین کی طرح مریدین اور پیروکاروں میں موجود رہتا ہے:

''صاحبہ کا مرزا نوشہ، پیر کی دعا کی برکت سے، جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ٹھہرا رہا، نو مہینے بھی ظاہر نہ ہوا تو نوشہ پیر کے معجزے سے وہ بارہویں مہینے جا کر پیدا ہوا۔ تو کیا وہ اس پیر کے آسمانی رابطوں سے انکاری ہو سکتی تھی۔ ہیر کے لیے وارث شاہ نے پانچ پیروں کے واسطے دیے تھے اور سوہنی بھی کچے گھڑے کو رب کے واسطے دیتی تھی۔''(18)

اسے عشق کی ایک رمز کہیں کی خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھ کر، اس کی خوبصورتی میں کھو کر، معاشرتی و شرعی ضابطوں سے ماورا کوئی عمل۔ یہ جو بھی تھا اس کے پیچھے ایک راز ہے، جو نہ کھل سکا، نہ کھل سکے گا۔ وہ عبداللہ جو ایک عورت کی خوبصورتی دیکھ کر اتنا مدہوش ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ سے بیگانہ ٹھہرتا ہے:

''تیرا تو بڑا چرچا تھا کہ تو ایک درویش ہے۔ دنیا کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا اور تو مجھے دیکھے چلا جا رہا ہے۔ ایسا سنت سادھو ہے۔

تب عبداللہ نے بھٹی میں سے وہ آگ ہوتا''تکلا''نکالا اور کہا۔ اے عورت! میں اس کو اپنی آنکھوں میں ایک سرمچو کی مانند پھیرتا ہوں۔۔۔ اگر ان آنکھوں میں تیرے لیے حرص اور ہوس کا ایک ڈورا بھی تھا تو میں اندھا ہو جاؤں۔۔۔۔ میں تو تیری موہنی شکل میں اپنے رب کا دیدار کرتا تھا۔ عبداللہ نے سلگتا ہوا''تکلا''اپنی آنکھوں میں پھیرا، تو''تکلا''سرد ہو کر سونے کا ہو گیا۔''(19)

''اغول''کا فرضی کردار حسین حلاجؒ کی شخصیت اور اس کے عزم و ارادے کی مضبوطی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عشقِ مجازی کا یہ روپ اس حوالے سے منفرد ہے کہ یہ حسین کو اپنی منزل "اَنَا الحق" تک لے جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے پیچھے بعض سیاسی اور شرعی عناصر بھی کارفرما تھے۔ ایک کنیز کی حسین بن حلاجؒ سے محبت اور عقیدت اوجِ کمال پر تھی۔

''وہ کیوں اغول کو بھلا نہیں سکتا، جب وہ سونے کے لیے لیٹتا، تو سنہری باتوں کا دھارا جس میں زرد چاندنی گندھی ہوتی، اس پر گرنے لگتا۔ یہاں تک کہ وہ بحرِ ذخار کی طرح اسے ڈھانپ لیتا، موجیں اور لہریں اسے ایک تنکے کی طرح پٹختیں، اٹھاتیں، کبھی جھولا جھلاتیں۔۔۔۔۔ اور وہ سو جاتا۔''(20)

اغول بھی حسین کی عقیدت اور عشق میں غرق تھی، خود سے غافل اور اپنے شوہر حامد بن عباس سے نالاں، مگر اس کی حالت میں وہ اضطراب شامل تھا جو اس کے بچے کی بیماری کی وجہ سے تھا۔ اور وہ شفایابی کے لیے حسین کی دعا کو وسیلہ یقین کر بیٹھی تھی۔

"حسین کی ذات میں اغول گویا حلول کر چکی تھی اور وہ اس کی روح میں اتر کر اس کے وجود کا حصہ تھی۔ وہ کہتا تھا، وہ اسے بھلا نہیں سکے گا، کبھی بھی نہیں۔ آدمی بھلاتا تو اسے ہے جسے یاد کیا جائے اور اغول اسے یاد کہاں تھی، وہ تو حسین تھی یا حسین خود اغول تھا۔"(21)

عشق کی اک رمز یہ بھی ہے کہ غیروں کے نشتر، طنز اور پتھر وہ ضرب نہیں لگاتے، وہ اضطراب اور ارمان نہیں دیتے جو کسی اپنے کی نظراندازی سے ہوتا ہے۔ شبلیؒ کے ساتھ حسین کا تعلق کچھ ایسا تھا کہ جس میں عقیدت اور احترام کے ساتھ ساتھ نکتہ نظر کو سمجھنے اور کٹھن وقت میں ساتھ دینے کی ایک موہوم سی امید حسین حلاجؒ کو نظر آتی تھی۔ مگر جب وہ سنگسار ہوا تو شبلیؒ کی طرف سے پھینکے گئے پھول کی ضرب اس نے تمام پتھروں سے شدید تر محسوس کی:

"شبلیؒ نے پھول اٹھایا، اس کو اپنے ہاتھ میں تولا، نہایت آہستہ سے بازو لہرایا اور حسین بن منصور حلاجؒ کی طرف پھینکا۔ اس کی پرواز کو دیکھتے رہے، سارے سنگ و خشت کے ڈھیر میں یہ واحد ضرب تھی جس کی چبھن نے اسے نہایت مضطرب کیا۔ زخمی نگاہ اور آنکھیں جن سے خون رواں تھا، شبلیؒ پر ٹک گئیں۔ پھر وہ چیخ یوں گونجی کہ زمان و مکان نے اسے سنا اور سناٹے میں آ گئے۔"(22)

محبت پاکیزگی ہے اور نفرت گندگی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لہٰذا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ حسنِ اخلاق، نرمی، رواداری، حسنِ سلوک اور نرم دلی و حلیمی اسی محبت کی دین ہیں۔ یہ محبت چاہے حقیقی ہو یا مجازی، دونوں روپ ہی خوبصورت اور طہارتِ نفس کا ذریعہ بنتے ہیں۔ زمانے کی گرد اور بشری کمزوریوں نے اس میں ہوس کی ملاوٹ کی مگر درحقیقت محبت ایک خوبصورت احساس ہے جس میں محبوب کی رضا و خوشنودی، عزت و وقار اور آن کا پاس رکھنے کے لیے ایک عاشق اپنی جان پر ہر طرح کی سختی اور آزمائش کمال ضبط سے سہ جاتا ہے۔ عشق میں دوئی نہیں ہے۔ عشق زمانے کی مزاحمت اور مخالفت کو مول لیتا ہے۔ دیدارِ محبوب اور وصالِ محبوب سے آگے اس کو کوئی شے نظر نہیں آتی۔ اس بازی میں جو چیز جوئے پر لگتی ہے، زندگی ہوتی ہے:

"صاحباں نے اپنے بدن میں سے اپنے ہی بھائی شمیر کا چلایا تیر کھینچ کر نکالا۔ میرا سچ دانا باد ہے۔ ہیر کے بدن میں ونجلی کے سوراخوں میں سے ایک آہ نکلی، نہیں میرا سچ جنگل بیلے میں بچھا ہوا وہ رنگین پلنگ ہے جس پر میں رانجھے کے ساتھ آپ ہی رانجھا ہوئی تھی۔ سوہنی بھی انکاری ہو گئی کہ نہیں، میرا سچ میرے کچے گھڑے میں پوشیدہ ہے جس میں سے میں نے جنم لیا تھا۔"(23)

منصور بن حلاجؒ بھی عشق کے بحرِ بے کراں میں حقیقت و مجاز کی لہروں کے مابین اپنی ذات کی جستجو اور نفی کی کشمکش میں تھا۔ وہ ایک طرف عرفانِ حق کے حصول میں شرعی ضابطوں سے باہر جا رہا تھا اور دوسری طرف اغول کی محبت اسے حامد بن عباس کی دشمنی اور انتقام کا حقدار ٹھہرا رہی تھی۔ مگر وہ پھر بھی دیوانہ وار سرشاری میں تھا۔

"جب اغول کا نام لیا گیا تو اس کے ہاتھ سے قلم گر گیا۔ وہ ساری جان سے کانپا، جیسے سخت سردی سے بخار چڑھنے کی کیفیت ہو، اغول کی طرف دیکھنے کی ساری کوشش کے باوجود وہ نگاہ نہیں اٹھا سکا۔"(24)

انسان سے محبت، احترام اور اس کے دکھوں کا مداوا، خدا کی ذات تک رسائی اور اس کی خوشنودی کے حصول کا راستہ ہے۔ انسانی آلام و حاجات مادی بھی ہوتی ہیں، فکری اور روحانی بھی۔ یہ جسمانی درد بھی ہو سکتے ہیں اور روحانی ناسور بھی۔ ان پر محبت کے پھاہے رکھنا انسان کو عظیم بناتا ہے:

"اس کرشن پرندے کے سب کے سب زخم بھر گئے، خراشیں مندمل ہو گئیں اور ان مرہموں اور پھاہوں کی تاثیر سے اس کے نوچے گئے بال و پر پھر سے ہرے بھرے ہو گئے اور وہ شادمانی میں چہکنے لگا۔ اس رومی کے شمس کی دھوپ کی کرنیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

میرے لئے ایک نئی زندگی کا پیام لے کر آئیں۔اور یہ جو شاہ حسین، بابا فرید، سچل سرمست، میاں محمد اور بلھے شاہ تمہارے اور ہمارے ہیں۔،،(25)

آج بنی نوع انسان کو عدم برداشت، تشدد، بدامنی، انتہاپسندی اور مذہبی منافرت کی جس مہلک لہر کا سامنا ہے اس کے آگے بند ھ باند ھنے کے لیے تصوف یقیناموثر کردار ادا کر سکتا ہے۔صوفیاء کرام کا مشن اور مقصد رضائے الہٰی کے حصول اور تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ انسان سے محبت اور انسان کی حرمت کا پاس رکھنا بھی ہے۔ امن پروری، بھائی چارہ، محبت واخوت اور ہم آہنگی کے جو رنگ مختلف مذاہب کی مذہبی اور صوفیانہ تعلیمات میں ملتے ہیں ان کی ایک جھلک جمیلہ ہاشمی کے "دشتِ سوس"اور مستنصر حسین تارڑ کے ،، منطق الطیر جدید،،میں خوب ملتی ہے۔ ،،دشتِ سوس،، میں حسین حلاجؒ کے ارد گرد بکھرے کرداروں میں اس کی عکس بندی ہےاور،، منطق الطیر جدید،، میں تمثیلی انداز میں سامی وغیر سامی مذاہب کے نمائندہ پرندوں کی مشترکہ اڑان اور مکالمے میں اس کی تصویر نمایاں ہوتی ہے۔تارڑ نے ابدی سچائی کی تلاش میں سرگرداں پرندوں کی باہم گفت وشنید میں تصوف کی اسی رمز کو دکھایا ہے کہ انسان سب سے مقدم اور محترم ہے۔انسانی جان کی حرمت و تقدیس ہی ہر دین اور مذہب کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ارشاد ربانی ہے:

،،ترجمہ: اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کی جان بچائی۔،،(26)

تارڑ نے ،،منطق الطیر جدید،،میں انسان سے محبت اور انسانی رواداری کو یوں پیش کیا ہے:

،،ایسی شراب کی کشید نہ تو فرانس کے تہہ خانوں میں اور نہ ہی پنجاب کے کسی گاؤں کے کیکر کی جڑوں میں سے کشید ہوتی ہے۔ یہ بلھے شاہ کی ،،پی شراب تے کھا کباب، ہیٹھ بال ہڈاں دی اگ،،۔ شاہ حسین کی لال شراب، شمس تبریز کے جذب اور حلاجؒ کے کٹے ہوئے بازو میں سے ٹپکتے خون سے اور ایک متروک شدہ کنویں کی پاتال میں سے ہی کشید ہوتی ہے جن کی تہہ میں کبھی یوسف،تو کبھی طاہرہ اور کبھی پورن بھگت کو گرایا جاتا ہے۔،،(27)

مذکورہ بالا اقتباس میں جس شراب کا ذکر ہے یہ وہ رس ہے جو قلوب واذہان میں وحدہ لاشریک کی طلب،اس کی مخلوق سے محبت اور اپنے نفس کو پاک کرنے کی تاثیر پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ جذب ہے جس میں تمام انسانی فکریں، تنہائیاں، اضطراب اور نفرتوں کو سمویا جاسکتا ہے۔اور یہ وہ آگ ہے جو دل کو ہر طرح کے شرک، کدورت اور اخلاقی پستی سے نجات دلا کر گویا کندن بناتی ہے۔ مذہبی منافرت کا عفریت بنی نوع انسان کے امن اور مساوات کا کھلا دشمن ہے۔انسان جغرافیائی، لسانی، مذہبی، رنگ ونسل اور برتری کے بہکاووں میں بہک کر اس ابدی سچائی سے دور بھٹک رہا ہے جو خالق کی مخلوق سے محبت اور شفقت میں پوشیدہ تھی۔تارڑ لکھتے ہیں:

،،آؤ انا کی پچھل پیری چڑیل کے الٹے پاؤں باندھ دیں، خود غرضی کے کینچوے کو مسل دیں، نفس کے ہر سانس کے ساتھ پھولتے کتے کو ہلاک کر ڈالیں۔۔۔۔لوٹ چلیں۔،،(28)

جمیلہ ہاشمی نے بھی ،،دشتِ سوس،،میں جہاں وحدت الوجودی فکر، عشق حقیقی ومجازی کا التزام وامتزاج پیش کیا ہے وہیں ان کے مابین انسانی رواداری کی فکر بھی پیش کی ہے۔ حسین بن منصور حلاجؒ کا دادا مجوسی آتش پرست تھا مگر والد مسلمان۔اور حسین کے بدن میں جو خون تھا اس میں عشقِ حقیقی کی آگ اسی طرح الاؤ بن کر بھڑک رہی تھی جیسے دادا کے آتش کدے میں نار۔یہ ایک حسین التزام تھا کہ جب اس کا باپ اس کے دادا کی نشانیوں کو مٹانا چاہتا ہے،اسے ختم کرنا چاہتا ہے تو حسین پکار اٹھتا ہے کہ ہم ان کو کیسے خود سے الگ کر سکتے ہیں۔ وہ جو بات کرتا ہے اس میں انسان کی نسل در نسل چلی آرہی انسانی میراث کو مذہب سے ہٹ کر انسانی وخونی رشتے کے تناظر میں محبت کرنے اور احترام کرنے کی فکر عیاں ہوتی ہے:

Vol. 6 No.4 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

"میں اس قطعیت کے خلاف ہوں۔ وہ دادا کا مسلک تھا۔ یہ سرائے ان کی ہے، یہ ان کا مسلک اور مولد ہے۔ آثار مٹا دینے سے چیزیں مٹ نہیں جایا کرتیں، دلوں میں زندہ رہتی ہیں۔ ہم ان کو بہتر صورت تو دے سکتے ہیں جھٹلا نہیں سکتے۔"(29) انسانوں سے اس کی محبت کا ثبوت ہے کہ وہ اولادِ آدم کو اب بھی یاد رکھے ہوئے ہیں اور سمجھتا ہے کہ جن ناتواں ذروں کو اس نے خود حسن جاودانی عطا کیا ہے اس کی چمک ماند نہ پڑنے پائے۔"(30)

ایک سچا صوفی اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتا، صرف خدا کی پہچان اور وصالِ حق کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس میں انسانیت کی خدمت اور بھلائی کا جذبہ بھی موجزن ہوتا ہے۔ زیرِ جائزہ دونوں ناولوں میں اس وصف کی جھلک ملتی ہے۔ مختلف صوفیانہ کرداروں میں انسان دوستی اور امن و رواداری کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ صوفی، سنت، سادھو اور درویش انسان کو امن و آشتی، باہمی محبت و احترام اور تکریمِ انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ عالمگیر امن اور محبت کے حصول کے لیے نفی ذات یعنی اپنی ہستی اور انا و خود غرضی کی نفی کرنا شرطِ اول ہے۔ اس تناظر میں معین الدین چشتی فرماتے ہیں:

"جس شخص میں یہ تین چیزیں پائی جائیں سمجھ لو کہ وہ اللہ اور اس کے بندوں کا دوست ہے۔ اول، سورج کی سی شفقت کہ وہ اپنے پرائے، اچھے برے کی تخصیص کیے بغیر سب کو روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے۔ دوسرے، دریا کی سی سخاوت کہ اس کے کنارے سب کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ تیسرے، زمین کی سی تواضع، کہ اس سے سب پرورش پاتے ہیں اور وہ پیروں میں بچھی رہتی ہے۔"(31)

آخر میں وحدۃ الوجود کے حوالے سے ایک مغالطے کو دور کر دینا بہت ضروری ہوگا۔ کئی علمائے کرام کے نزدیک یہ ایک گمراہ کن نظریہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک وحدت الوجود اِس لیے گمراہ کن نظریہ بن جاتا ہے کہ اہلِ تصوف جذب و کیف میں اِس کی انتہائی شکلوں میں واقعی شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ابنِ عربیؒ جنھیں متصوفین شیخِ اکبر نے نام سے یاد کرتے ہیں سے منسوب ایک شعر یہاں نقل کیا جاتا ہے:

الرّب عبدٌ والعبد ربٌ

یا لیت شعری مَن المکلّف !

"ربّ ہی عبد ہے اور عبد ہی ربّ ہے (یعنی خالق و مخلوق ایک ہی ہیں) تو میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس کو حکم دیا جارہا ہے (کہ عبادت کرے اور کس کی عبادت کرے!)"۔ اب یہ بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شعر ابنِ عربی کی کتاب فصوص الحکم یا فتوحاتِ مکیہ میں موجود بھی ہے یا نہیں لیکن بادی النظر میں اہلِ شریعت کے نزدیک ایسے دعوے کی شرک کے علاوہ اور کوئی تعبیر نہیں کی جاسکتی۔

لیکن دوسری طرف دیکھیں تو اِسی طرح شیخِ اکبر ابن العربی ہی کا ایک اور شعر بھی یہاں قابلِ ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:

الرّبّ رَبٌ وَ اَنْ تنزّل

والعبد عبدٌ وَ اَنْ ترقّی

خواہ کتنا ہی نزول فرمالے، اللہ ہمیشہ اللہ ہی رہے گا، اُس کے منصب و مقام کو کوئی کمی واقع نہ ہو گی۔ اسی طرح محمدِ عربی ﷺ اللہ کے بندے ہی ہیں خواہ وہ ساتویں آسمان تک چلے جائیں۔ عبد اور معبود کی سرحدات کبھی یکساں نہیں ہو سکتیں۔ یہ شعر بہت عمدگی سے توحیدِ باری تعالیٰ اور صفاتِ الٰہیہ کی تفسیر پیش کر رہا ہے۔ اِس لیے حضرتِ شیخ پر کوئی فتویٰ لگانے سے پہلے یہ تحقیق بھی از حد ضروری ہے کہ انھوں نے کوئی بات واقعتاً کہی بھی ہے یا فقط زیبِ داستاں کے لیے اُن کے نام سے منسوب کر دی گئی ہے۔

Vol. 6 No.4 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

جہاں تک فکشن کا تعلق ہے، یہ دونوں ناولوں کی حیثیت نیم تاریخی اور نیم افسانوی ہے۔ جہاں تک بنی نوعِ انسان میں عالمگیر بھائی چارے، امنِ عامہ، احترامِ آدمیت اور مساواتِ انسانی کا تعلق ہے، تو یہ ناول وحدۃ الوجود کے فلسفے کو بنیاد بنا کر بہت خوبصورتی سے درج بالا فریضے سر انجام دے رہے ہیں اور یہی اِن دونوں ناولوں میں سب سے بڑی قدرِ مشترک بھی ہے۔

حوالہ جات

1. علی بن عثمان جلابی، ''کشف المحجوب''، مترجم: محمد الطاف نیروی، لاہور، ، صفحہ
2. Encyclopedia of America, USA, 1982, volume:25, p. 84
3. شیخ عبد القادر جیلانی، ''غنیته الطالبین''، مترجم: شمس صدیقی، لاہور (پروگریسو بکس)، سنہ ندارد، صفحہ
4. القرآن الکریم، ''سوره الواقعه'' ، آیت:
5. محمد حفیظ الرحمن، ڈاکٹر، ''تصوف اور صوفیا کی تاریخ''، لاہور (شاکر پبلی کیشن)، ۲۰۱۴، صفحہ ۱۷۴
6. محمد حفیظ الرحمن، ڈاکٹر، ''تصوف اور صوفیا کی تاریخ''، لاہور (شاکر پبلی کیشن)، ۲۰۱۴، صفحہ ۱۹۰
7. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ
8. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۰
9. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ
10. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۲۳۴
11. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۷۰
12. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۲۱۲
13. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۴۵
14. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۳۱۸
15. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۴۰
16. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۴۹۷
17. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۳
18. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۵۲
19. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۲۰
20. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۱۱۰
21. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۱۳۰
22. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۴۹۵
23. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۵۱
24. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۲۱۴
25. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۶۴
26. سوره المائده :آیت
27. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ 108
28. مستنصر حسین تارڑ، ''منطِقَ الطیر، جدید''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ، صفحہ ۱۵۶
29. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۱۰۵
30. جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سُوس''، لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز)، ۲۰۰۲، صفحہ ۱۰۷
31. رضی احمد کمال، ڈاکٹر، ''حالات و خدمات مشائخ چشتیه صابریه''، نئی دہلی (مکتبہ جامعہ)، ، صفحہ